میں ایک جگہ آپ نے ایسے تسلم سے کام لیا ہے جو ناقابل برداشت ہے مولانا موصوف نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کیا ایک سید ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے سید نہ رہے گا، بلکہ جلاہا بن جائے گا؟ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ نے بھی جواب بس دبی زبان سے اس غیر اسلامی امتیاز کو یہ کہہ کر تسلیم کر لیا کہ دار الکفر کے ایک سید صاحب دار الاسلام کی ایک سیدانی کے باعتبار نسب کفو ہی سہی" آپ کے الفاظ مبہم ہیں۔ کیا آپ بھی مسئلہ کفو کو اسلام میں جائز سمجھتے ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو آپ قرآن و حدیث سے استشہاد پیش فرما کر میرا اطمینان فرمائیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ دنیا کے کام کاج اور پیشوں کو انسانیت کی اونچ نیچ میں کیوں دخل ہو؟ بنی نوع انسان سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اگر لوہے کا کام کیا ہے تو وہ لوہار ٹھہر گئے؟

جواب۔ آپ نے کفاءت کے مسئلے پر جو اعتراض کیا ہے اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ طرز تعبیر میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن نفس مسئلہ کفاءت تو عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہے اور تفصیلات سے قطع نظر، بجائے خود نکاح میں اُس کے معتبر ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ اس مسئلے کا ماخذ متعدد احادیث ہیں، مثلاً:

لا تنکحوا النساء الا الاکفاء (دار قطنی، بیہقی)	عورتوں کی شادیاں نہ کرو مگر ان لوگوں کے ساتھ جو کفو ہوں۔
یا علی ثلاث لا تؤخرھا۔ الصلوٰۃ اذا اتت، والجنازۃ اذا حضرت، والایم اذا وجدت کفاء (ترمذی، حاکم)	اے علی تین کام ہیں جن کو ٹالنا نہ چاہیے۔ ایک نماز جبکہ اس کا وقت آ جائے۔ دوسرے جنازہ جبکہ تیار ہو جائے۔ تیسرے بن بیاہی عورت کا نکاح، جبکہ اس کے لیے کفو مل جائے۔
تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء	اپنی نسل پیدا کرنے کے لیے اچھی عورتیں تلاش کرو، اور

اپنی عورتوں کے نکاح ایسے لوگوں سے کرو جو ان کے کفو ہوں (یہ حدیث حضرت عائشہ، انس، عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہم سے متعدد طریقوں سے مروی ہے،

امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے،

لَاَمنعنّ فروج ذوات الاحساب — میں شریف گھرانوں کی عورتوں کے نکاح کفو کے سوا

الامن الاکفاء — کہیں اور نہ کرنے دونگا۔

یہ تو ہے اس مسئلے کی نقلی دلیل۔ رہی عقلی دلیل تو عقل کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کسی لڑکی کو کسی شخص کے نکاح میں دیتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اس کے جوڑ کا ہے یا نہیں۔ اگر جوڑ کا نہ ہو تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دونوں باہم نباہ سکیں گے۔ نکاح سے مقصود تو عقلاً بھی اور نقلاً بھی یہی ہے کہ زوجین کے درمیان مودت و رحمت ہو اور وہ ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کرسکیں۔ آپ خود سوچ لیں کہ بے جوڑ نکاحوں سے اس مقصود کے حاصل ہونے کی کہاں تک توقع کی جاسکتی ہے؟ اور کونسا معقول انسان ایسا ہے جو اپنے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ کرنے میں جوڑ کا لحاظ نہ کرتا ہو؟ کیا آپ اسلامی مساوات کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مرد کا ہر عورت سے اور ہر عورت کا ہر مرد سے صرف اس بنا پر نکاح کر دیا جائے کہ دونوں مسلمان ہیں، بلا اس لحاظ کے کہ ان میں کوئی مناسبت پائی جاتی ہے یا نہیں؟

فقہاء نے اس جوڑ کا مفہوم مشخّص کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے طریقے پر یہ بتایا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان کن کن امور میں مماثلت ہونی چاہیے۔ ہم ان تفصیلات میں بعض فقہاء سے اختلاف اور بعض سے اتفاق کرسکتے ہیں۔ مگر فی الجملہ عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی بھر کی شرکت و رفاقت کے لیے جن دو ہستیوں کا ایک دوسرے سے جوڑ ملایا جائے ان کے درمیان اخلاق، دین، خاندان، معاشرتی طور طریق، معاشرتی عزت و حیثیت، مالی حالات، ساری ہی چیزوں کی مماثلت دیکھی جانی چاہیے۔ ان امور میں اگر پوری یکسانی نہ ہو تو کم از کم اتنا تفاوت بھی نہ ہو کہ زوجین اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رفاقت نہ کرسکیں۔ یہ انسانی معاشرت کا ایک عملی مسئلہ ہے جس میں حکمت عملی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔